اخلاقیات

11

Web version of PCTB textbook

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بُک بورڈ، لاہور

منظور کردہ: وفاقی وزارتِ تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومتِ پاکستان، اسلام آباد۔
موجب سرکلر نمبر F.6-8/2009 مورخہ 01 مارچ 2011
تیار کردہ: پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1-	**مذاہب کا تعارف**	2-15	4-	**آداب**	53-57
•	مذہب کی تعریف مختلف ماہرین کی نظر میں		•	کام کی جگہ کے آداب	
•	مذہب کی جامع تعریف		•	خدمت گار کے آداب	
•	مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم		•	ملاقاتی کے آداب	
•	مذہب پر معاشرے کے اثرات				
2-	**پاکستان میں مختلف مذاہب**	16-41	5-	**مشاہیر**	58-74
•	اسلام		•	عبدالستار ایدھی	
•	مسیحیت		•	مدر ٹریسا	
			•	جمشید سروان جی مہتا	
3-	**اخلاقی اقدار**	42-52		**فرہنگ**	75-78
•	اجتماعی عدل اور مساوات				
•	معاشرتی ادارے				
	• ریاستی ادارے				
	• سماجی ادارے				

Web version of PCTB textbook

مصنفین: • ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی • ڈاکٹر محمد شفیع مرزا

ڈائریکٹر (مسوّدات): فریدہ صادق **ڈپٹی ڈائریکٹر (گرافکس):** انجم واصف

نگران/ایڈیٹر: لئیقہ خانم

کمپوزنگ: عرفان شاہد **ڈیزائننگ:** سمیرا اسماعیل

ناشر: **مطبع:**

تاریخ اشاعت | ایڈیشن | طباعت | تعداد اشاعت | قیمت

پیش لفظ

خدا تعالیٰ نے انسان کو صرف اشرف المخلوقات بنایا بلکہ حقائق کے ادراک کے لیے فہم و دانش عطا کی جس کی بنیاد پر وہ سمجھتا ہے کہ اچھے اخلاق ہی انسانیت کا بنیادی جوہر ہیں، اگر انسان میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جائیں تو وہ انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے اور ساری عقل و دانائی اور مادی ترقی کے باوجود وہ حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تعلیم کا ایک بنیادی کردار انسان کو زیورِ اخلاق سے آراستہ کرنا قرار پایا ہے۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں مذاہب نے انسان کی اخلاقی تربیت کی ہے اور انسان کو روحانی سہارا بھی دیا ہے۔ اس سے جہاں معاشرے پُرسکون اور پُرامن رہے، وہاں انسان کو عظمت، عزت اور وقار بھی نصیب ہوا۔ حقیقت میں وہ تمام روایات، رسوم اور اقدار جو سلامتی کے راستے کی طرف لے جاتی ہیں، ان سب کا سرچشمہ مذاہب ہیں۔ وہ تمام نیک لوگ جو انسانیت کے لیے دردِ دل رکھتے ہیں اور ہمیشہ خدمتِ خلق میں پیش پیش رہتے ہیں، وہ سب کسی نہ کسی مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، لیکن ہندو، مسیحی، سکھ، پارسی اور دیگر مذہبی اقلیتیں بھی موجود ہیں۔ ان اقلیتوں میں ہندو اور مسیحی بڑی اقلیتیں ہیں جب کہ سکھ مذہب کے پیروکار ان سے کم ہیں۔ تشکیل پاکستان سے لے کر اب تک یہ اقلیتیں پاکستان کے پُرامن شہری ہیں اور جنھیں آئینی طور پر مذہبی آزادی حاصل ہے۔

عالمی مذاہب وہ سرچشمہ فیض ہیں، جن سے عالمِ انسانیت نے روحانی پیاس بجھائی ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے اتحاد، باہمی یگانگت اور ہم آہنگی کا ذریعہ بھی ہیں۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور مذاہب ان کو یک جا کرتے ہیں۔ بھارت کے فلسفی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کہا تھا کہ جو انسانوں کو جوڑے وہ دھرم ہے اور جو توڑے وہ ادھرم ہے۔ مذاہب فطرت کے قریب، بلکہ بعض مذاہب سراسر فطرت ہیں۔ یہ انسان کو محبت، رواداری اور یگانگت کا درس دیتے ہیں۔

اخلاقیات کی اس کتاب میں ایسا مواد شاملِ نصاب کیا گیا ہے کہ مذاہب کی ترویج و ترقی میں معاشرے کا کردار کیا ہوتا ہے اور مذاہب کس طرح معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کے لیے پیش رفت کرتے ہیں۔ اسی طرح اجتماعی عدل اور مساوات کے لیے سماجی اداروں کی کارکردگی، وحدتِ ادیان کے تصورات اور سائنس اور مذاہب جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ کتاب میں بڑے بڑے مذاہب کے اعتقادات اور ان کی تعلیمات کی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد طلبہ اندازہ کر سکیں گے کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے مذاہب نے کیا کردار ادا کیا ہے اور یہ کہ تمام مذاہب انسان کو نہ صرف اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں بلکہ اس کی تربیت بھی کرتے ہیں۔

عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی ہم میں سے ہر ایک کو معاشرے کے دیگر افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اچھے روّیے بہتر تعلقات کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ رواداری، حُسنِ اخلاق اور مہذب ہونے کے لیے ہمیں کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح کتاب میں ایسے مشاہیر کی زندگی اور فکر کا ذکر کیا گیا ہے جو آزادی، خودداری، دردمندی اور خدمتِ خلق کے سلسلے میں ہمارے لیے قابلِ تقلید ہیں۔ ان میں نیلسن منڈیلا، عبدالستار ایدھی، مدر ٹریسا، ڈاکٹر محمد یونس، نجیب محفوظ اور جمشید نسروان جی مہتا جیسی شخصیات شامل ہیں۔

پاکستان کی ترقی، خوش حالی اور باوقار قوموں کی صف میں کھڑا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ یہ ملک اندرونی طور پر، پُرامن اور متحد ہو اور ملک کے تمام باشندے، خواہ ان کا تعلق اکثریت سے ہو یا اقلیت سے، وہ یکسو ہو کر باہمی اتحاد اور یگانگت سے اس کی ترقی کے لیے کام کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے روشن مستقبل کے لیے مذہبی ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ رواداری، برداشت، محبت و یگانگت اور دوسروں کے مذہب کا احترام انسانیت کا زیور بھی ہیں اور ملکی ترقی و خوش حالی کی ضمانت بھی۔

مصنفین

Web version of PCTB textbook

باب
1

مذاہب کا تعارف

مذہب کی تعریف مختلف ماہرین کی نظر میں:

سرای بی ٹیلر(Sir E. B.Taylor) نے مذہب کی تعریف میں بیان کیا ہے:

‘‘Religion means the belief in spiritual beings.’’

جرمن حکیم گسلر بیان ہے۔’’مذہب ابدی چیز ہے۔‘‘ مذہب جس احساس کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانے میں کبھی معدوم نہیں ہوسکتا۔‘‘

فرانسیسی رینان (Renan) لکھتا ہے:’’تمام اشیامٹ جائیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا سے معدوم ہوجائے یا اس کی قوت میں زوال آجائے اور مذہب اس بات کا ثبوت دے گا کہ مادی مذہب غلط ہے۔‘‘

پروفیسر لیوبا (Leuba) نے مذہب کی نفسیاتی تحقیقات کی ہیں۔ان میں سے تین تعریفیں درج ذیل ہیں۔

1۔ مذہب نام ہے ان مافوق الانسانی قوتوں کی رضاجوئی کا جو انسانی زندگی پر حکمران ہیں۔

2۔ مذہب نام ہے ایک ازلی اور ابدی حقیقت پر ایمان لانے کا جس کی مشیت اور جس کا ارادہ انسانی مشیت اور ارادے سے بالاتر ہے اور جس کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ ہمیشہ گہرا ہے۔

3۔ مذہب ایک روحانی اور نفسی احساس ہے جس کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور کائنات میں باہمی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔اب اگر علیحدہ علیحدہ غور کیا جائے تو پہلی تعریف میں زیادہ تاکید عمل اور کردار کی ہے اور دوسری میں زیادہ زور مذہبی عقیدے یا ایمان پر دیا گیا ہے اور تیسری تعریف کا خاص جزو کردار یا ایمانیات نہیں بلکہ نفسِ انسانی کا نظام تاثر ہے۔عمل،ایمان اور انسان کا مذہب سے تاثر یہ تینوں مذہب کے لازمی عناصر ہیں۔ان تینوں میں ہم آہنگی ضروری ہے۔یہ تعریفیں علیحدہ علیحدہ تعریفیں نہیں بلکہ حقیقت میں مذہب کے ایک ایک پہلو کو ظاہر کرتی ہیں۔گویا یہ مذہب کے تمام پہلوؤں پر حاوی نہیں ہیں۔بغیر عملِ صالح کے عقیدہ ایمان سے اتنا ہی دُور ہے جتنا کہ بغیر ایقان اور ایمان کے اخلاقی عمل دور ہوتا ہے۔

کانٹ (Kant) کہتا ہے کہ ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا یہ مذہب ہے۔

مذہب کی جامع تعریف:

’’مذہب،اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کا باطن پاک ہوجاتا ہے یعنی مذہب ان صداقتوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسان اور انسانی کردار میں انقلاب پیدا کردیں بشرطیکہ انھیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے۔‘‘

مذہب کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ کے ہیں۔ مذہب حق کی تلاش، اپنی ذات کی پہچان اور وصالِ الٰہی کی منزل تک پہنچنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ مذہب ہم سب کو رواداری، محبت اور اتحاد کا درس دیتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب نے

Web version of PCTB textbook

انسانی معاشرت سنوارنے اور اخلاقی قدریں اُبھارنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی نجی اور اجتماعی زندگی پر کسی اور عنصر نے اتنے گہرے اثرات مرتب نہیں کیے، جتنے مذہب نے کیے ہیں۔

مذہب انسانی فطرت کا حصّہ ہیں۔ ہم لاکھ انکار کریں، یا اس سے دُوری اختیار کریں، لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ مذاہب نے انسانی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں۔ یہ زندگی میں نظم اور ترتیب پیدا کرتے ہیں۔ مذہب ہماری معاشرتی زندگی کا ایسا ناگزیر عنصر ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں یہ فلسفے، علم الانسان، سماجیات اور نفسیات کا موضوع رہا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مذہب کو محض ایک سماجی ادارے کے طور پر نہ دیکھیں بلکہ اس کی برتر حیثیت کو بھی تسلیم کریں۔

1۔ سماج/معاشرہ کی تعریف:

معاشرہ کا نظریہ صرف انسانوں سے وابستہ ہے۔ جانوروں کی تہذیب نہیں ہوتی۔ کیوں کہ جانور فطری قوانین کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کی کوئی سماجی تعلیمات نہیں ہوتیں۔ جانور فطرت اور جبلت کی راہ نمائی میں زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اپنے لیے جیتا اور مرجاتا ہے۔ نہ اس کا کوئی معاشرہ ہوتا ہے نہ اسے ڈھالنے کی اس کے اندر کوئی تمنا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس انسانی زندگی کا تصور معاشرے کے بغیر ناممکن ہے۔ جانور کی زندگی میں کسی مقصد کا تصور نہیں ہوتا جب کہ انسانوں کی زندگی کی معنویت کا علم ان کے معاشرے کے مطالعے سے ہوتا ہے، کہ زندگی کیا ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ جب انسان آنکھ کھولتا ہے تو اپنے اطراف ایک معاشرہ پاتا ہے۔ اس معاشرے کے کچھ تصورات اور روایات ہوتی ہیں۔ اس کی شخصیت کی تعمیر میں اس کا سماج اور تہذیب ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان ایک سماجی جانور ہے۔ معاشرے کا تصور تہذیب کے بغیر ممکن نہیں اس لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان ایک تہذیبی وجود رکھتا ہے۔ انسان جس وقت دنیا میں آتا ہے اس وقت سے لے کر قبر میں پہنچنے تک اس پر سماج کے اثرات مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ انسان کے تصورات زندگی، طرز زندگی، اخلاقیات، اقدار، اظہار مافی الضمیر کے طور طریقے سماج سے شعوری اور غیر شعوری طور پر وہ لیتا رہتا ہے اور اس کی توجیہ بھی کرتا ہے۔ ہر انسان بعد کی نسلوں کو مادی ورثہ کے علاوہ تہذیبی ورثہ بھی دیتے ہیں۔ انسان صرف سماج سے تہذیب لیتا نہیں بلکہ اپنے وقت کی تہذیب پر اپنی سوچ، فکر، خیالات اور اپنی تحقیقات کی روشنی میں اپنے معاشرہ اور زندگی کو بہتر بنانے کے اثرات چھوڑتا ہے۔ یہ خوش گوار الجھاؤ اور یہ پیچیدگی صرف انسانوں سے وابستہ ہے۔

2۔ فلسفہ کی تعریف:

انسان ذہنی طور پر کچھ نہ کچھ جاننے کی جستجو کرتا ہے۔ جیسے جیسے علمی اور فکری مسائل حل ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے فکر کے نئے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ انسان حیرانی اور استعجاب کی گہرائیوں میں گرتا ہے تو پھر فلسفہ ہی اسے اس فکری بھنور سے باہر نکالتا ہے۔ اسی لیے یونانی فلسفی افلاطون نے کہا تھا کہ فلسفے کی ابتدا حیرت و تعجب اور اس سے پیدا ہونے والی ذہنی الجھنوں کو دور کرنے کی کوشش سے ہوتی ہے۔ انسان کا شعور بتدریج پختہ ہوتا جاتا ہے، شعور کی بلندیاں انسان کی حیرانی میں مزید اضافہ کرتی ہیں۔ فلسفہ اس حیرانی کو دور کرتا ہے اور اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے حیران کن سوالات کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

Web version of PCTB textbook

فکرعموماً اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کو کوئی ذہنی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ کسی فکری مسئلے کا حل جبلی طور پر ممکن نہیں۔ جب انسان کسی مشکل مسئلہ اور اس کے جوابی فعل کے درمیان وقفہ میں مخصوص ذہنی عمل سے گزرتا ہے تو اسی ذہنی عمل کو فکر کہتے ہیں جو جبلتِ تجسس کی تسکین کرتی ہے۔ یہی ذہنی عمل ان مخصوص حالات اور ماحول میں انسان کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے جسے ہم فلسفیانہ سوچ و بچار کہتے ہیں۔ ہر شخص کی سوچ کی ایک سطح ہوتی ہے جسے انفرادی یا ذاتی فلسفہ کہا جا سکتا ہے۔ کسی شخص کا انفرادی نقطۂ نظر یا ذاتی فلسفہ، عقائد اور اقدار پر مبنی ہوتا ہے جبکہ منظم اور کائناتی فلسفہ میں منطقی ربط اور تسلسل پایا جاتا ہے۔

فلسفی وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر طرح کی ازلی و ابدی اور عدیم التغیر اشیا و نظریات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہم تاریخ فلسفہ کو تین بڑے ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ دورِ اول قدیم دور ہے جس میں فلسفوں کی تقسیم اس طرح ہے۔ ہندی فلسفہ، چینی فلسفہ، ایرانی فلسفہ، مصری فلسفہ اور یونانی فلسفہ شامل ہیں۔ دورِ ثانی ازمنۂ وسطیٰ کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں مسلم فلسفہ، عیسائی فلسفہ اور عبرانی فلسفہ اہم ہیں، دورِ ثالث میں فلسفہ جدید اور پسِ جدیدیت شامل ہیں۔ دورِ اوّل میں یونانی فلسفیوں میں تھیلیز، ہرا کلائٹس، ایمپیڈ وکلیز، پارمینڈیز، فیثا غورث، پروٹا غورس، سقراط، افلاطون اور ارسطو کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان عظیم یونانی فلسفیوں نے میدانِ فلسفہ میں کمال نظریات پیش کیے جو ابھی تک تازہ ہیں۔

دورِ ثانی یعنی ازمنۂ وسطیٰ کے مسلمان فلسفیوں میں الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ، امام الغزالی، ابنِ ماجہ، ابنِ طفیل، ابنِ رشد، امام ابوبکر رازی، ابنِ خلدون اور ابنِ عربی آسمانِ فلسفہ پر چمکتے ستارے ہیں جنھوں نے متعدد فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کو حل کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ اسی طرح دورِ ثالث میں فلسفہ جدید اور پسِ جدیدیت کے معروف فلسفیوں میں ڈیکارٹ، کانٹ، ہیگل، نٹشے، برگساں، رسل، وائیٹ ہیڈ، وٹگن سٹائین، دریدا اور چومسکی وغیرہ مشہور ہیں۔

انسان ہمیشہ حقیقت جاننے کی تگ و دو کرتا رہتا ہے، جو یقیناً ہمیشہ جاری رہے گی۔ ہر دور میں سچائی کی تلاش اور اسے حاصل کرنے کی خواہش میں مسلسل جدوجہد کرنے کا نام فلسفہ ہے۔ انسان جب کوئی نئی شے دیکھتا یا آواز سنتا ہے تو حیران ہوتا ہے۔ یہ حیرانی کا عمل اس کے ذہن میں سوالات پیدا کرتا ہے، سوچ و بچار اور فکر پیدا کرتا ہے۔ اسی حیرانی سے فلسفے کی ابتدا ہوتی ہے سوچ و بچار اور فکر کا نام ہی فلسفہ ہے۔
افلاطون نے کہا ہے: "Philosophy begins with wonder"

جدید دور میں فلسفے کا مفہوم مزید ترقی پا گیا ہے۔ فلسفے کے دو اہم کام یا افعال ہیں۔ پہلی ترکیب (Synthesis) اور دوسری تحلیل یا تجزیہ (Analysis) ہے۔ فلسفہ بکھری ہوئی سوچ کے تانے بانے بُنتا ہے ترکیب کا کام ایک دائرے کے اندر رہ کر فکری مغالطے ختم کر کے سوچ کی اکائیاں یکجا کرنا ہے جس سے اجزا کی اہمیت کو کل کے ساتھ ان کی وابستگی کے حوالے سے اجاگر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تحلیل (Analysis) کے عمل سے اشیا، نظریات اور تعقلات کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تجزیہ سے اصل حقائق اور حیثیت سے شناسائی حاصل ہوتی ہے۔ تجزیہ ہو یا ترکیب یہ دونوں خصوصی حیثیت کے حامل اعمال ہیں۔ کوئی عمومی ذہنی سطح کا شخص ایسا کمال نہیں دکھا سکتا۔ فلسفہ صرف فلسفیوں کے لیے ہوتا ہے۔

تمام علوم کی ابتدا فلسفہ ہی سے ہوئی ہے جو شخص طبیعیات، کیمیا، طب، ہندسہ، موسیقی، نفسیات، معاشیات، فلکیات، مابعد الطبیعیات غرضیکہ تمام علوم پر دسترس رکھتا ہے اسے دانا، حکیم یا فلسفی کہا جاتا ہے۔ وہ عقلی اور فکری لحاظ سے دوسروں سے برتر ہوتا ہے۔ فلسفہ ہی سے تمام علوم نکلے ہیں۔ کانٹ (Comte) نے اسی لیے فلسفے کو ام العلوم کہا تھا یعنی فلسفہ تمام علوم کی ماں ہے۔

Web version of PCTB textbook

مذہب کی سماجی، فلسفیانہ اور نفسیاتی تفہیم

انسان کو زندگی گزارنے کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی لائحہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ طریقۂ کار نظم یا لائحہ عمل عظیم ہستیوں کا وضع کردہ ہوتا ہے، لیکن بہت سے لوگ ان دیکھی ہستی یعنی خالقِ کائنات پر یقین رکھتے ہیں، اُسی کے احکامات مانتے ہیں اور پیروی کرتے ہیں۔ خدا کے احکامات، ہدایات اور زندگی گزارنے کے طریقے کو مذہب کہا جاتا ہے۔

مذہب ہمیں خدا کا انسان اور کائنات سے تعلق، ماضی کے واقعات، حال اور مستقبل کے لیے رشد و ہدایات اور اعلیٰ زندگی کا شعور عطا کرتا ہے۔ جس کے مطابق معاشرتی، ثقافتی، معاشی اور اخلاقی مسائل حل کیے جاتے ہیں۔

مذہب کی حقیقت کیا ہے؟ مذہب کیوں ضروری ہے؟ مذہبی قوانین میں کیا حکمت و دانائی پنہاں ہے؟ کیا مذہب لوگوں کی ضرورت ہے؟ کیا مذہب خدا کی طرف سے نازل کردہ احکامات پر مبنی ہوتا ہے یا پھر انسان نے خود ایسے اصول وضع کیے ہیں جنھیں مذہب کا نام دیا جاتا ہے؟ یہ تمام ایسے سوالات ہیں جن کے جواب صرف اور صرف فلسفی ہی دے سکتا ہے۔ ذہن میں پیدا ہونے والے دیگر سوالات کی طرح مذہبی مُوشگافیاں بھی فلسفے ہی کی مدد سے حل کی جاسکتی ہیں۔ فلسفہ اور مذہب کے عنوان کے تحت وہ تمام موضوعات زیرِ بحث لائے جاسکتے ہیں جو انسان کو خدا اور کائنات سے تعلق پیدا کرنے میں راہیں متعین کرتے ہیں۔ یہ موضوعات ہی خالقِ حقیقی کی ہستی کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ مذہب دراصل وہ لائحہ عمل ہے جس کو اپنا کر انسان ان مسائل کا صحیح اور مناسب حل تلاش کر لیتا ہے جو ہمیشہ اسے فکری اور علمی میدان میں پریشان کیے رکھتے ہیں۔

سرایڈورڈ برنٹ ٹائیلر: (Sir Edward Burnett Tylor)

سرایڈورڈ برنٹ ٹائیلر (2 اکتوبر 1832ء۔2 جنوری 1917ء) برطانیہ کے پہلے ماہرِ علم البشر (Anthropologist) ہیں۔ ان کے والدین کا تعلق ایک مسیحی فرقے کوئکر (Quakar) سے تھا۔ اس فرقے کے پیروکار امن پسند اور صلح جو تھے، جو روایتی رسموں اور عقائد سے کنارہ کش رہتے۔ سولہ سال کی عمر میں انھوں نے سکول کی تعلیم مکمل کر کے باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ کوئکر فرقے کا پیروکار ہونے کی وجہ سے انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ 23 سال کی عمر میں وہ تپِ دق کے مرض کا شکار ہو گئے اور انھیں علاج کے لیے امریکا جانا پڑا تو ہوانا (کیوبا کا صدر مقام) میں ایک بس میں سفر کے دَوران ان کی ملاقات ایک شخص ہنری کرسٹی (Henry Christy) سے ہوگئی۔ کرسٹی بھی کوئکر فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس اتفاقیہ ملاقات سے ان کی زندگی کا رخ بدل گیا۔ دراصل کرسٹی آثارِ قدیمہ اور نسلیات کا ماہر تھا۔ وہ میکسیکو کے قدیم ٹولٹک ثقافت (Toltec Culture) پر تحقیق کرنے میکسیکو جا رہا تھا۔ ٹولٹک میکسیکو کے قدیم حکمران تھے اور انھوں نے ایک خاص تحریک کو پروان چڑھایا تھا۔ کرسٹی نے ٹائیلر کو بھی تحقیق پر آمادہ کر لیا اور وہ اگلے چھ ماہ اسی تحقیق پر لگے رہے۔ اب ٹائیلر کی زندگی کا رُخ متعین ہو گیا اور وہ چھ ماہ بعد لندن لوٹ آئے۔

ٹائیلر نے انسان کی تہذیبی تبدیلیوں کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے مطابق انسانی خصوصیات ترقی کرتی رہی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلیاں آئیں ہیں۔ غاروں میں رہنے والے انسان سے لے کر آج کے جدید انسان تک جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کی

Web version of PCTBtextbook

کڑیاں مکمل طور پر غائب نہیں ہوئیں۔یعنی یہ تبدیلیاں اور تہذیبی ترقی ان کی پہلی تصنیف کا موضوع تھے۔انھوں نے تحقیق جاری رکھی اور 1871ء میں ان کی دوسری تصنیف قدیم ثقافت (Primitive Culture) شائع ہوئی۔یہ کتاب اگرچہ پہلے سلسلے کی کڑی تھی لیکن یہ اس لحاظ سے اہم تھی کہ ان میں انھوں نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں اپنا نظریہ روح پرستی (Animism) پیش کیا تھا۔

اگرچہ مذہب کی ابتدا اور اس کی حقیقت کے بارے میں گزشتہ دو ہزار سال میں بہت سے نظریے پیش کیے گئے لیکن ان میں ٹائیلر نے مذہب کی ابتدائی شکل کے بارے میں سائنسی انداز میں بات کی ہے۔

ٹائیلر نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ''مذہب ماورائی قوتوں پر اعتماد کا نام ہے''۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب کا تصور انسان کے روحوں پر اعتقاد سے پیدا ہوتا ہے۔جب کوئی شخص خواب میں ایسے رشتہ داروں سے ملتا اور بات چیت کرتا ہے جو مر چکے ہوتے ہیں یا زندہ تو ہیں لیکن دُور دراز رہتے ہیں تو وہ روح کے وجود کا قائل ہو جاتا ہے۔وہ خواب کو واہمہ نہیں سمجھتا بلکہ حقیقت تصور کرتا ہے اور روح کے وجود پر اس کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔

قدیم انسان نے خوابوں سے یہ سیکھا ہے کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے اور یہ روح کا تصور ہی اینی مزم (روح پرستی) کی جان ہے، اگر نیند لمبی ہو جائے تو روح بدن کے قالب میں واپس نہیں آتی اور موت واقع ہو جاتی ہے۔اس طرح بدن تو بیکار ہو جاتا ہے مگر روح زندہ رہتی ہے۔ٹائیلر اپنے مذہبی تصورات کو آفاقی قرار دیتے ہیں۔ان کے مطابق یہ تصورات وحشی انسان کے زمانے میں اُبھرے اور آج کے جدید دَور میں بھی موجود ہیں۔

سر جیمز جارج فریزر: (Sir James George Frazer)

سر جیمز جارج فریزر (یکم جنوری 1854ء۔7 مئی 1948ء) برطانیہ کے ممتاز دانشور، علم الانسان کے ماہر اور مذہبی تاریخ کے محقق تھے۔ وہ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ انھوں نے گلاسکو یونیورسٹی (Glasgow University) اور ٹرینٹی کالج کیمبرج (Trinity College Cambridge) سے تعلیم حاصل کی۔اُنھیں دورانِ تعلیم قدامت پرستی سے دلچسپی رہی۔وہ ساٹھ برس تک ٹری نیٹی کے رفیق بھی رہے۔اُنھیں اس بات کا یقین تھا کہ دُنیا نہ بدلنے والے قدرتی قوانین کے تحت چل رہی ہے۔

ان کا نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے عقائد کے مطابق ماورائی طاقتوں پر یقین رکھتا ہے اور اس یقین کے مطابق وہ عمل کرتا ہے۔
جارج فریزر کے مطابق جادو اس ترقی کے زینے پر پہلا قدم ہے۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ پُرانے زمانے میں جس چیز کے جو پہلو نہ سمجھے جا سکتے تھے اسے جادو کا نام دے دیا جاتا تھا۔انھوں نے مذہب کے بارے میں کہا تھا کہ مذہب کے کچھ پہلو نظر نہیں آتے اور اس طرح مذہب نے جادو کی جگہ لے لی ہے۔لوگوں کو جب تک معلوم نہ تھا کہ ایک بیج سے درخت کیسے بنتا ہے وہ اسے جادو سمجھتے تھے جب کہ مذہب اسے خدا کی قدرت قرار دیتا ہے۔اسی طرح اب سائنس کے کرشمے جادو لگتے ہیں۔فریزر کے نظریات کے مطابق جادو، مذہب اور سائنس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔

فریزر کے بقول مافوق الفطرت قوتوں پر یقین رکھنے سے دو قسم کے روّیے پیدا ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ انسان قوتوں کو برتر قوت تسلیم کر لیتا ہے، ایسا کرنے سے وہ عاجزی اختیار کرتا ہے۔وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی فلاح ان طاقتوں کے ہاتھ میں ہے۔اس طرح وہ مِنّت ،

Web version of PCTB textbook

قربانی اور نذرو نیاز کے ذریعے ان طاقتوں کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سب مذہب کے دائرے میں آتا ہے اور دوسرا رویہ یہ ہے کہ وہ ان طاقتوں کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ یہ مذہب کے بجائے جادو کے دائرے میں آتا ہے۔

فریزر نے مذہبی تاریخ میں بھی نمایاں کام کیا۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں قابلِ ذکر ہیں لیکن ان کی تصنیف ''گولڈن بوہ'' (Golden Bough) کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ جدید ثقافت کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ کتاب شاخِ زریں کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں اردو میں شائع ہو چکی ہے۔

سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Freud):

سگمنڈ فرائیڈ (6 مئی 1856ء۔03 ستمبر 1939ء) جرمنی میں پیدا ہوئے لیکن ابھی چار سال ہی کے تھے کہ ان کا خاندان وی آنا (آسٹریا) منتقل ہو گیا۔ وی آنا یونی ورسٹی سے اُنھوں نے طب کی ڈگری حاصل کی، انھوں نے یونیورسٹی میں تعلیم کے دَوران قدیم اور جدید علوم کا خوب مطالعہ کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے ایک معالج جوزف برائر کے ساتھ مل کر نفسیاتی اُلجھنوں کے مریضوں (Histeria Patients) کا علاج شروع کیا۔ انھوں نے مشاہدہ کیا کہ ہسٹریا کے مریضوں کو بھڑاس نکالنے دی جائے تو یہ مرض دُور ہو جاتا ہے۔ انھوں نے اِن مریضوں کے خوابوں کو بھی اہمیت دی۔ فرائیڈ کا خیال ہے کہ خواب اور ہسٹریا دونوں خوف کے ذریعے پیدا ہونے والے خیالات اور احساسات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

فرائیڈ کے مذہبی تصورات کے جائزے میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ انھوں نے اعصابی امراض کے شعبے میں کام کیا، تحلیل نفسی ان کا ذریعۂ علاج بھی تھا اور انسانی باطن میں چھپے ہوئے پوشیدہ حقائق کو جاننے کا ذریعہ بھی۔ انھوں نے شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا اور حاصل شدہ معلومات اور تجربات کا اطلاق پوری انسانی زندگی پر کیا۔ اس طرح فرائیڈ معالج بھی ہیں، ماہر نفسیات بھی اور فلسفی بھی۔ مذہب کے بارے میں ان کے مذہبی نظریات کا آغاز تحلیل نفسی سے شروع ہوتا ہے اور ان کے مذہبی نظریات کو اسی پس منظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔

فرائیڈ مذہب کو واہمہ قرار دیتے ہیں۔ دراصل مذہبی تصورات ان کے ذہن میں جڑ نہ پکڑ سکے۔ آخری عمر میں انھوں نے ''موسیٰ اور وحدانیت'' (Moses and Monotheism) کتاب لکھی جس میں یہودی مذہب پر اعتراضات کیے۔ یاد رہے کہ وہ خود یہودی تھے۔ وہ مذہب کی اس قوت کے مداح ہیں کہ مذہب کے زیرِ اثر اعلیٰ درجے کی تہذیب پروان چڑھتی ہے۔

فرائیڈ نے ٹوٹم پسندی (Totemism) کو مذہب کی ابتدائی شکل قرار دیا ہے۔ قدیم تہذیبوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ہر قبیلہ مظاہرِ فطرت میں سے کسی چیز خصوصاً کسی جانور کو اپنا امتیازی نشان چن لیتا، پھر اسے اپنے لیے وجہ امتیاز سمجھتا اور سارا قبیلہ اس کا احترام کرتا۔ اسے ٹوٹی مزم کہتے ہیں۔ فرائیڈ کہتے ہیں کہ مذہب خاندانی تجربے سے اخذ ہوا۔ جس میں بے بس بچہ جابر باپ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ والد اسے ہر سہولت اور تحفظ دیتا ہے اور اس کے بدلے میں احترام چاہتا ہے۔ وہ خدا پر ایمان کو ایک بے بس بچے کی بے بسی قرار دیتا ہے۔ فرائیڈ نے مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ اس کے مذہبی افکار نے یورپ اور امریکہ کے حلقوں کو متاثر کیا۔

Web version of PCTB textbook

رڈلف اوٹو:(Rudolf Otto)

رڈلف اوٹو (25 ستمبر 1869ء۔6 مارچ 1937ء) بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ الٰہیات کے اُستاد، مذہبی مفکر اور تاریخ دان تھے۔ انھوں نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس تیس سالوں میں جو کچھ تحریر کیا اس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا رہے ہیں۔ رڈلف اوٹو جرمنی کے شہر پین (Peine) میں پیدا ہوئے انھوں نے گوٹی جن (Gottingen) یونی ورسٹی سے تعلیم پائی اور یہیں پڑھاتے رہے۔ اگرچہ وہ ملک کے قانون ساز ادارے کے رکن بھی رہے لیکن ان کی شہرت ان کے مذہبی افکار کی وجہ سے ہے۔ ان کی ساری زندگی مسیحی الٰہیات اور دیگر مذاہب کی حقیقت اور مذہبی تجربے کی تفہیم میں گزری۔

رڈلف اوٹو کی مسیحیت کے علاوہ دیگر مذاہب میں دلچسپی اس قدر بڑھی کہ انھوں نے مذہبی تحقیق کے لیے ہندوستان، برما، چین، مصر، یروشلم اور دیگر کئی ممالک کے سفر کیے۔ ہندومت سے خصوصی دلچسپی رہی۔ اس لیے انھوں نے نہ صرف سنسکرت زبان سیکھی بلکہ اپنی کتاب "باطنیت مشرق ومغرب" (Mysticism East and West) میں ہندومت اور مسیحیت کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا۔ انھیں ان اسفار کے دوران جو معلومات میسّر آئیں اُن سے اُنھیں دوسرے مذاہب کو سمجھنے میں مدد ملی۔

رڈلف اوٹو نے کئی کتابیں تصنیف کیں لیکن ان میں سے داس ہیلنگ (Das Helinge) جس کا انگریزی ترجمہ (The Idea of The Holy) کے نام سے ہوا۔ اس میں مقدس ہستی کا تصور پیش کیا۔ یہ کتاب 1917ء میں شائع ہوئی۔ انھوں نے باطنی تجربے یا روحانی واردات کو مذہبی روایت کا مغز قرار دیا ہے۔ ان کے مذہبی نقطۂ نظر کے مطابق مذہب میں روحانی تجربہ ہی مذہب کی جان ہے اور اس کے بغیر باقی سب ظاہری اعمال رسوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس باطنی تجربے یا روحانی واردات میں غیبی قوت کا احساس تو کیا جا سکتا ہے مگر اس کی تہہ تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ ان کے نزدیک یہ غیبی قوت پُر اسرار بھی ہے اور انسان پر اس کی ہیبت اور رُعب بھی طاری ہوتا ہے جس کے نتیجے میں انسان میں عاجزی اور عقیدت جنم لیتی ہے۔ اوٹو کے یہی خیالات خدا پرستانہ مذاہب پر صادق آتے ہیں۔ دراصل رڈلف اوٹو مذہبی تجربے کے غیر عقلی عناصر کو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ انھوں نے مذہبی تاریخ پر بھی کام کیا ہے۔

رڈلف اوٹو کے تصنیفی کام کی تحسین کرنے والوں میں پروٹسٹنٹ فرقے کے علاوہ فلسفی اور مذہبی تاریخ دان شامل ہیں۔ ان میں ہر ایک کو اپنے کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔ زندگی کے آخری دس سالوں میں رڈلف اوٹو نے چاہا کہ مارک برگ (Markburg) میں ایک عجائب گھر بنایا جائے جہاں مذاہب کا تقابلی جائزہ اس طرح لیا جائے کہ زندہ عقائد واضح ہوں۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ رڈلف اوٹو 6 مارچ 1937 کو اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔

☆☆☆☆

Web version of PCTBtextbook

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب کی فلسفیانہ، سماجی اور نفسیاتی تفہیم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2۔ درج ذیل شخصیات پر نوٹ لکھیے۔

(الف) سر جیمز جارج فریزر　(ب) رڈلف اوٹو　(ج) سگمنڈ فرائیڈ

(ب) مختصر جوابات لکھیے۔

1۔ مذہب کے لغوی معانی کیا ہیں؟

2۔ آسمانی مذاہب کو سمجھنا کیوں آسان ہے؟

3۔ ٹائیلر نے مذہب کی ابتدا کے بارے میں کس ثقافت پر تحقیق کی؟

4۔ ٹائیلر نے مذہب کی تعریف کن لفظوں میں کی؟

5۔ جیمز جارج فریزر کی معروف تصنیف کا نام کیا ہے؟

6۔ سگمنڈ فرائیڈ نے کس معالج کے ساتھ مل کر ذہنی الجھنوں کے مریضوں کا علاج شروع کیا؟

7۔ جیمز فریزر نے کس چیز کو ثقافتی ارتقا میں اہم خیال کیا؟

8۔ فلسفہ اور معاشرہ کی مختصر تعریف بیان کریں۔

(ج) دُرست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ رڈلف اوٹو نے ـــــــــــــــــــــــ میں دلچسپی لی۔

(ا) ٹوٹی ازم　(ب) اینی مزم　(ج) علمِ بشریات　(د) غیر مسیحی مذاہب

2۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی سے مذہب کا رُجحان ـــــــــــــــ

(ا) بڑھ گیا　(ب) کم ہو گیا　(ج) ختم ہو گیا　(د) معمول کے مطابق رہا

3۔ اوٹو کے خیال میں مذہب میں ـــــــــــــــــــــــ کو مغز کا درجہ حاصل ہے۔

(ا) عبادت　(ب) باطنی تجربے　(ج) عقائد　(د) مذہبی تحقیق

4۔ ـــــــــــــــــــــــ نے مذہب کے ارتقا کے بارے میں سائنسی انداز اپنایا۔

(ا) سگمنڈ فرائیڈ　(ب) رابرٹسن سمتھ　(ج) رڈلف اوٹو　(د) ٹائیلر

5۔ سر جیمز جارج فریزر نے ـــــــــــــــــــــــ میں جادو کو اہمیت دی۔

(ا) مذہب　(ب) معاشرہ　(ج) انسان　(د) ا، ب، ج

Web version of PCTB textbook

6- داس ہیلنگ کے مصنف کا نام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

(ا) فریزر (ب) اوٹو (ج) فرائیڈ (د) ٹائیلر

7- علم فلسفہ کو تمام علوم کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہتے ہیں۔

(ا) خالہ (ب) ماں (ج) دادی (د) ا، ب، ج

8- معاشرے کا تصوّر صرف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے وابستہ ہے۔

(ا) انسانوں (ب) جانوروں (ج) روحوں (د) ا، ب، ج

(د) کالم (الف) کا رابطہ کالم (ب) سے کیجئے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دنیا کی بہت بڑی آبادی	مشترک مسائل	
داس ہیلنگ	فریزر	
ای بی ٹائیلر	آسمانی مذاہب	
ذرائع ابلاغ کی ترقی	رڈلف اوٹو	
شاخِ زریں	روح پرستی	
	سگمنڈ فرائیڈ	

(و) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1- طلبہ گروپ بنا کر قدیم اور جدید فلسفیوں کے نظریات کا جائزہ لیں۔

(ہ) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1- آپ طلبہ اور والدین کی مدد سے ادارے میں مذہبی عجائب گھر بنوائیں تو آپ کیا چیزیں رکھیں گے۔
طلبہ کی آرا بھی شامل کریں۔

☆☆☆☆

Web version of PCTB textbook

مذہب پر معاشرے کے اثرات

مذہب ایک معاشرتی ادارہ ہے۔ہم معاشرہ اور مذہب کی تاریخ کا جائزہ لیں،تو ہمیں ہر دَور میں مذہب اور معاشرہ لازم وملزوم نظر آتے ہیں۔مذہب معاشرے کے مسائل حل کرنا چاہتا ہے اور اس میں مثبت تبدیلی لانا چاہتا ہے۔اسی طرح جب معاشرے میں تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے،تو لازمی طور پر اس کے اثرات مذہب پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

قدیم دَور میں بار ہا ایسا ہوا کہ ایک سلطنت یا ایک مخصوص آبادی میں عوام ایک مذہب کے پیروکار ہیں لیکن والیِ سلطنت نے مذہب تبدیل کر لیا۔امرا اور سرداروں نے بادشاہ کی پیروی کی اور دوسرے لوگ بھی جوق در جوق اسی رنگ میں رنگے گئے۔بظاہر تو ایک نیا مذہب معاشرے پر اثر انداز ہو رہا ہے،لیکن یہ معاشرتی تبدیلی دراصل پہلے مذہب پر اثر انداز ہوئی اور وہ کمزور ہو گیا اور بعض اوقات گردشِ زمانہ سے وہ مذہب ختم ہو گیا یا اس قدر کمزور ہوا کہ اس کے ماننے والے چند افراد ہی رہ گئے۔مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک مذہب کو کروڑوں لوگوں نے قبول کیا اور کچھ عرصہ بعد اس کے ماننے والے چند لاکھ رہ گئے۔

مذاہب کے بانی نہ صرف اپنے مذہب کے بارے میں ہدایات دیتے ہیں بلکہ وہ خود عمل کر کے بھی دکھاتے ہیں۔جس کے نتیجے میں ان کے زمانے میں اُس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔بلکہ اس مذہب پر عمل کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔جب بانی اس دُنیا سے رخصت ہوتا ہے،تو افراد کے عمل میں کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔کئی معاشی اور معاشرتی عوامل مذہبی عقائد میں کمزوری پیدا کر دیتے ہیں اور مذہب کی گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔یہ بھی ہوتا رہا کہ نئے مذہب نے پُرانے کے اثرات کم کر دیے۔

کوئی بھی مذہب فطرت کے جس قدر قریب ہوتا ہے،اس کے اثرات اس قدر دُوررس اور دیرپا ہوتے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں،کہ مذاہب نے انسان کو نیک و بد سمجھا کر عمل کرنا فرد کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔اعمال کی جزا اور سزا کا معاملہ آخرت پر اٹھا رکھا ہے۔کچھ لوگ مال ودولت کی حرص یا دوسری ترغیبات کی وجہ سے مذہب سے دُور ہو جاتے ہیں۔جب کہ کچھ لوگ عبادات میں مصروف رہتے ہیں اور دنیاوی معاملات میں مذاہب کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔جن مذاہب میں آخرت کا تصور موجود ہے۔اُن کے پیروکاروں پر اُن مذاہب کے اثرات نسبتاً دیرپا ہوتے ہیں۔

مذہب پر معاشرے کے اثرات کا ایک پہلو اور بھی ہے۔مذاہب اچھے بُرے کی تمیز سکھاتے ہیں،مگر بعض اوقات انسان اپنی خواہشات کو مذہب کا نام دے دیتے ہیں اور مذہب کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنا چاہتے ہیں۔یوں رفتہ رفتہ عقائد بدلتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ مذہب کی صورت مسخ ہو جاتی ہے۔یہ تو حالات کے مذہب پر اثر کی مثال ہے۔مذہب بگاڑ کو سنوارنے اور مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے لیکن یہ کمزور ہو جائے اور مسائل حل نہ ہو سکیں،تو کوئی تحریک اُٹھتی ہے اور ردِعمل مذہب کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔دراصل مذہب عدل وانصاف پر زور دیتا ہے اگر ایسا نہ ہو،تو انصاف سے محروم لوگ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔جس کے نتیجے میں بہت سی معاشرتی اقدار بھی بدل جاتی ہیں۔

دُنیا میں ذرائع ابلاغ نے بہت ترقی کر لی ہے،تو دُنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔وسائل ابلاغ کے ذریعے معلومات کی تیزی سے ترسیل نے افراد اور معاشروں میں تبدیلی کا عمل تیز کر دیا ہے۔خاص طور پر ثقافتی میدان میں تبدیلی بہت واضح ہے۔مذہب جو کسی قوم کی

Web version of PCTB textbook

ثقافت کا کلیدی جزو ہوتا ہے۔ اکثر اوقات اس کی تعلیمات پر عمل درآمد پوری طرح نہیں ہو رہا ہوتا، جس کی وجہ سے معاشرہ طاقت ور اقوام کے زوردار ثقافتی حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے آسانی سے تبدیلی کے عمل کا شکار ہو جاتا ہے۔ موجودہ دَور میں معاشی و معاشرتی نظریات، سائنسی اندازِ فکر اور نفسیاتی افکار نے دُنیا کے مختلف معاشروں کو متاثر کیا اور آزاد خیالی کی لہر نے کمزور قوموں کو فکری انتشار سے دوچار کر دیا ہے۔

ماضی میں قوموں کے عروج و زوال کا یہ انداز بھی سامنے آتا رہا، کہ کسی قوم کا مذہب اوہام سے بوجھل ہو گیا، یا اس کی مذہبی توجیہات، یا خود مذہب ترقی کے فطری انداز میں حائل ہو گیا، تو وہ مذہب کمزور ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ یا تو مذہب اور معاشرے کے لیے کوئی فکری اور نظریاتی تحریک اُٹھی اور تطہیر کے بعد حالات کو درست کر دیا گیا، یا پھر کسی دوسرے مذہب نے اس معاشرے پر اثرات قائم کیے اور وہ معاشرے پر چھا گیا۔ جب لوگ نیا مذہب اختیار کرتے ہیں، تو اپنی پُرانی معاشرتی رسوم کو پوری طرح چھوڑ نہیں پاتے، اور ایک مدت کے بعد وہ پرانی رسمیں سر اٹھاتی ہیں اور اس مذہب کو اصل حالت میں نہیں رہنے دیتیں۔

نیا پن، نئی باتیں سوچنا اور نئی چیزیں پسند کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، یہ بھی مذہب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بُدھ مت پھیلا، جین مت نے اثرات قائم کیے لیکن کوئی مذہب بھی ہندو دھرم کے رسم و رواج کے اثرات سے پوری طرح نہ نکل سکا۔ بعض اوقات کسی نئے مذہب کو غیر مؤثر کرنے کے لیے حکومتیں اور قومیں سیاسی چالیں بھی چلتی ہیں۔

جب مذاہب کسی خاص خطے سے باہر نکلے تو ثقافت کی تبدیلی کی وجہ سے مذہب میں تبدیلی آئی۔ اب نئے معاشرے کی تعمیرِ نو (Reformation) میں دقتیں پیش آئیں۔ کہیں قبائلی نظام کے طرزِ حیات نے راستہ روکا اور کہیں پرانے مذاہب کی قدیمی روایات آڑے آئیں۔ اگر مذہب میں وُسعتِ نظر اور کشش ہے تو وہ پھلتا پھولتا رہے گا ورنہ ٹکراؤ کی شکل میں معاشرتی رسوم اور ثقافت مذہب کے پھیلاؤ میں رکاوٹ بنیں گی۔ مذاہب میں تو خدائے بزرگ و برتر نے جہاں اپنے بندوں کے ذریعے مذہب کو خیر بنا کر بھیجا، وہاں کی ثقافت، ماحول اور جغرافیائی حالات کے مطابق احکام دیے اور اس کے دیگر قوموں میں پنپنے کی گنجائش اور لچک پذیری بھی رکھی۔ مذاہب بھی جہاں سے اٹھے، اس کے مراکز وہیں اسی معاشرے میں رہے۔ ہندو دھرم کے تیرتھ استھان ہندوستان میں ہی ہیں۔ مگر مسئلہ اس دھرتی سے باہر کا ہے، جہاں آب و ہوا بدلتی ہے، خوراک بدلتی ہے، تو مذہب میں بدلتے حالات کے ساتھ لچک ہونی چاہیے۔ جہاں اہلِ مذہب بضد ہوں وہاں مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح مذہب پر معاشرتی اثرات غالب آجاتے ہیں۔

بعض اوقات معاشرتی دباؤ ایک اور رُخ اختیار کرتا ہے اور وہ مثبت تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ جب مذہبی طبقے یا عوام مذہب کے بارے میں خدشات کا شکار ہوتے ہیں تو انھیں پھر خدا یاد آتا ہے۔ ان حالات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین اور مذہب پر زیادہ سختی سے کاربند ہو جاتے ہیں۔ ظلم کا شکار مظلوم طبقہ اور زیادہ خلوصِ نیت سے مذہب کی پابندی کرنے لگتا ہے۔ یعنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے اور مذہب کے باہمی عمل سے ایک دوسرے پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ صدیوں سے ایسا ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ تاریخ میں محفوظ ہے۔

Web version of PCTB textbook

مذہب کا تعلق اصل میں انسان کی ذات سے ہے۔ کیوں کہ انسان سماجی جانور ہے اس لیے سماج سے وہ سیکھتا ہے اور سماج پر اثرات چھوڑتا ہے۔ تہذیب کا وجود کہیں تنہائی میں نہیں ہوتا۔ وہ سماج کا پروڈکٹ ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی ابتدا کسی ایک فرد سے ہوئی ہو مگر اس فرد نے ایک جماعت بنائی۔ اس جماعت نے ایک سوسائٹی تعمیر کی۔ اس سوسائٹی نے ایک ریاست کو وجود بخشا۔ وہ تہذیب اس سیاسی سرپرستی میں پروان چڑھتی، آگے بڑھتی اور دوسری تہذیبوں کو متاثر کرتی ہے۔

مذہب کا تعلق سیکھنے سے ہوتا ہے۔ سیکھنے کا عمل دنیا میں آنے کے بعد روزِ اوّل سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے سیکھنا شعوری بھی ہو سکتا ہے اور لاشعوری بھی۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ انسان جو کچھ سیکھتا ہے اس کا ایک بڑا حصہ غیر شعوری طور پر حاصل کرتا ہے۔ زبان، لباس، طرزِ تعلیم، طرزِ تعمیر، خوشی اور غم کے مواقع پر سماج کی نگاہ میں پسندیدہ اور مقبول عمل، صحیح اور غلط کے معیارات اور ان سب میں سب سے اہم ترین نکتہ کائنات، الوہیت، حیات اور انسان کے بارے میں تصور۔ عموماً یہ تمام امور سماج سے غیر شعوری طور پر سیکھے جاتے ہیں الا یہ کہ شعور آنے کے بعد اپنی ہی تہذیب کے بعض امور پر کوئی سوال کھڑا کرے جس کی جرأت کم ہی لوگ کر پاتے ہیں۔

تہذیبوں کا تسلسل ہزاروں سال طویل ہوتا ہے۔ علاقے اور آب و ہوا کے بدلنے کے ساتھ ساتھ کچھ جزوی تبدیلیاں ضرور ہو جاتی ہیں مگر نسل در نسل اصولوں کو باقی رکھا جاتا ہے۔ تہذیب کو ہم ایک ندی سے مشابہ سمجھتے ہیں کہ ندی جس طرح سے مختلف علاقوں سے گزرتی ہوئی چلی جاتی ہے، اور ہر جگہ مختلف تبدیلی لاتی ہے اسی طرح تہذیب مختلف نسلوں سے گزرتے ہو مختلف معاشرہ کی ہر پہلو میں تبدیلی لاتی ہے۔

☆☆☆☆

Web version of PCTB textbook

مشق

(الف) درج ذیل سوالات کے مفصل جوابات لکھیے۔

1- مذہب پر معاشرے کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

2- قدیم اور جدید دَور میں مذہب پر معاشرے کے اثرات کا فرق واضح کیجیے۔

(ب) مختصراً جوابات لکھیں۔

1- ملک کے سربراہ کے مذہب تبدیل کرنے کے کیا اثرات ہوتے ہیں؟

2- مذہب کے بانی کے بعد مذہب میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

3- عقیدۂ آخرت سے کردار کیونکر متاثر ہوتا ہے؟

4- اپنی آرزوؤں کو مذہب کا نام دینے سے کیا ہوتا ہے؟

5- اہلِ مذہب اگر ضد کریں تو مذہب پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1- معاشرے کے بااثر طبقے کے نئے مذہب کو قبول کرنے سے ------------------ ہے/ ہیں۔

(ا) عوام پُرانے مذہب پر ڈٹ جاتے (ب) پُرانا، مذہب کمزور ہو جاتا

(ج) پُرانا مذہب بالکل ختم ہو جاتا (د) عوام بھی نیا مذہب قبول کر لیتے

2- معاشی اور سماجی عوامل مذہب کو ------------------ کرتے ہیں۔

(ا) کمزور (ب) توانا (ج) ملیا میٹ (د) غیر موثر

3- عدل اٹھ جائے تو ------------------ ہیں/ ہے۔

(ا) مذہبی اقدار بدل جاتی (ب) عوام میں سخت ردِ عمل پیدا ہوتا

(ج) معاشرتی اقدار تبدیل ہو جاتی (د) ا، ب، ج

4- نیا مذہب اختیار کرنے کے بعد لوگ ------------------ ہیں۔

(ا) پرانی مذہبی روایات بھول جاتے (ب) معاشرتی رسمیں چھوڑ دیتے

(ج) نئی اور پرانی رسومات ایک ساتھ چلتی رہتی (د) ا، ب، ج

5- انسان کے سیکھنے کا عمل ------------------ سے شروع ہوتا ہے۔

(ا) روزِ اوّل (ب) نوجوانی (ج) بڑھاپے (د) ا، ب، ج

Web version of PCTB textbook

(د) صحیح جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط کے سامنے ''غ'' لگائیے۔

1۔ مذہب اوہام کا شکار ہو تو معاشرہ ترقی کرنے لگتا ہے۔

2۔ الہامی مذاہب ایک دوسرے کے متصادم نظریات رکھتے ہیں۔

3۔ اگرچہ جدت پسندی انسان کی فطرت ہے، مگر مذہب پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

4۔ مذہب کی قوتِ جاذبہ انسان کے لیے مفید ہوتی ہے۔

5۔ معاشرے کے قبائلی نظام تبدیلی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

(و) **طلبہ کے لیے سرگرمیاں:**

1۔ ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کے لوگوں نے معاشرے پر کیا اثرات مرتب کیے۔ گروپ کی شکل میں مباحثہ کیجیے۔

(ہ) **اساتذہ کے لیے ہدایات:**

1۔ مختلف مذاہب پر اثر انداز ہونے والے عناصر اور عوامل سے طلبہ کو آگاہ کریں۔

2۔ طلبہ کو بتائیں کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ کس طرح زندگی گزارنی چاہیے۔

☆☆☆☆

Web version of PCTB textbook